4

اعمال کی قبولیت کا دارومدار اخلاص اور حسن نیت میں ہے

(فرمودہ ۲۳ جنوری ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

دنیا کے کارخانے اور اس کے کاروبار پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام کاروبار اسباب کے ساتھ وابستہ ہیں۔

بعض کام اور بعض امور تو طبعی ہیں اور بعض شرعی ہیں۔ طبعی امور تو وہ ہیں جن کے ساتھ نیت اور ارادہ کا کوئی دخل نہیں۔ جب ایک خاص قسم کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ کام بھی ہو جاتا ہے۔ خواہ کوئی اس کام کے ہونے کا ارادہ کرے یا نہ کرے مثلاً اگر کوئی شخص پانی پیئے تو وہ ضرور سیر ہو جائے گا خواہ وہ سیر ہونے کا ارادہ کرے خواہ نہ کرے۔ اسی طرح جو روٹی کھائے گا اس کا پیٹ ضرور بھر جائے گا خواہ وہ پیٹ کے بھرنے کا ارادہ کرے یا نہ کرے بعض بیماریوں میں انسان کھاتا بھی چلا جاتا ہے مگر اس کی بھی پھر حد ہوتی ہے یہ نہیں کہ اس پر پیٹ بھر جانے کا کوئی وقت ہی نہیں آتا۔ اسی طرح بعض پاگل کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ ان کو زور کے ساتھ اور بعض حالات میں نلکی کے ساتھ کھانا اندر پہنچایا جاتا ہے۔ اس پاگل یا مریض کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا مگر کھانا اندر پہنچ کر پیٹ بھر دیتا ہے۔ ایک آدمی جو برف کے پانی سے نہائے گا وہ ضرور ٹھنڈا ہو جائے گا۔ خواہ وہ دل میں کتنی ہی خواہش اور ارادہ گرم ہونے کا بھی کرتا رہے اس کے ارادہ کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایک شخص گرم لحافوں میں پڑ جائے تو چاہے وہ سرد ہونے کا اردہ اور خواہش بھی رکھتا ہو تو وہ سرد نہیں ہو گا۔ بلکہ طبعی طور پر ضرور وہ گرم ہی ہو گا تو طبعی اسباب میں نیت اور ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

گو ایک حد تک نیت اور ارادہ بھی طبعی قانون میں مؤثر اور تاثرات کا رنگ رکھتے ہیں۔ مثلاً مؤثر طاقت کے مقابلہ پر تاثر والی قوت کو کھڑا کر دیا جائے تو مؤثر قوت کوئی شک نہیں کہ کمزور ہو جائے گی۔ مثلاً جو شخص گرمی میں یہ ارادہ کر لے کہ میں گرمی کو برداشت کرلونگا تو بیشک اس کو گرمی کم محسوس ہو گی۔ مگر یہ نہیں کہ اس کو گرمی ہی نہ لگے۔ اسی طرح جو شخص یہ ارادہ کر لے کہ میں برف کی ٹھنڈک اور سردی کو برداشت کرلوں گا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو سردی کم محسوس ہو گی مگر یہ نہیں کہ اس کے اس ارداہ سے طبعی قانون اس پر اثر ہی نہ کرے۔ یہ ممکن ہے کہ اگر اس کو برف کے پانی میں کھڑا کر دیا جائے تو وہ برداشت کی نیت اور ارادہ کرنے کی وجہ سے سردی کو کم محسوس کرے لیکن یہ نہیں ہو گا کہ اس کو برف کے پانی میں غوطہ دیا جائے تو اس کو گرمی ہونے لگ جائے اور یہ بھی نہیں ہو گا کہ کھاتے جائیں اور پیٹ نہ بھرے۔ پیتے ہی جائیں اور سیر نہ ہوں۔ بے شک ایک حد تک تو طبیعت طبعی اسباب کا مقابلہ بھی کرتی ہے مگر وہ ایک محدود طاقت ہے غیر محدود نہیں۔

اس طبعی قانون کے مقابلہ میں ایک شرعی قانون ہے کہ اس میں نیت اور ارادہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ گو بے نیت کے بھی اس قانون میں فائدہ پہنچ جاتا ہے جیسا کہ طبعی قانون میں ارادہ اور نیت بھی ایک حد تک فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر واقعہ میں نماز اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے ادا نہیں کرتا وہ لوگوں کی دیکھا دیکھی نماز پڑھتا ہے تو گو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی مگر وہ مسلمان کہلاتا ہے۔ یا نماز روزہ سے وہ کوئی اور فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تا لوگ اس کو مسلمان خیال کر کے فائدہ پہنچائیں تو وہ فائدہ اس کو پہنچ جاتا ہے۔ غرض جس طرح طبعی قانون میں ایک حد تک ارادہ اور نیت کی قوت فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح شرعی قانون میں ایک حد تک ارادہ اور نیت کی کمزوری بھی نقصان سے بچاتی ہے۔ جس طرح طبعی قانون میں مخالف ارادہ بہت حد تک اثر نہیں کرتا یا کرتا ہے تو بہت کم اس طرح شرعی قانون میں جتنا ارادہ زیادہ ہو گا اور نیت جتنی اچھی ہو گی اتنا ہی اس کام کا نتیجہ اچھا اور نقصان اور تکلیف سے پاک ہو گا۔ اور جتنا ارادہ اور اخلاص کمزور ہو گا اس کا نفع بھی بمقابلہ اس ارادہ کے کمزور ہو گا۔ دونوں قانونوں میں کتنا بڑا فرق نظر آتا ہے۔

ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور شان کو دیکھو اور دوسری طرف ایک عام مسلمان کو دیکھو دونوں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک کے تو کروڑوں کروڑ اور اربوں ارب آدمی نسلاً بعد نسلٍ غلامی میں آئے اور ایک کو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور ایک کے لئے تو خدا تعالیٰ بے حد

غیرت و قدرت دکھلاتا ہے اور ایک کے لئے نہ وہ غیرت ہے نہ وہ قدرت ہے۔ مگر ہے وہ بھی مسلمان۔ نمازیں وہ پڑھتا ہے، حج وہ کرتا ہے زکوٰۃ بھی وہ دیتا ہے۔ اگر دونوں کے اعمال ملائے جائیں تو میرے نزدیک ایک عام مسلمان نمازیں زیادہ پڑھ سکتا ہے اور روزے زیادہ رکھ سکتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے اور صحابہؓ میں ایسے لوگ موجود تھے جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ساری ساری رات تہجد اور نمازیں پڑھتے تھے اور دن کو روزے رکھا کرتے تھے اور نہیں تو ایک مالدار تو یقیناً بڑھ کر عمل کرتا ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی۔ کیونکہ نہ آپ کے پاس روپیہ جمع ہوا اور نہ آپ نے زکوٰۃ دی تو ایک عام مسلمان ظاہری اعمال میں کئی دفعہ زیادہ نظر آتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے معاملہ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس سے وہ معاملہ نہیں جو رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اگر محض نماز و روزہ شریعت تھی اگر محض حج و زکوٰۃ شریعت تھی تو پھر اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے بہت بڑھ کر خدا تعالیٰ کا سلوک ہونا چاہیے تھا اور بہت زیادہ اس کے اعمال کا اس کو نتیجہ ملنا چاہیے تھا۔ پھر کیا چیز تھی کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور شان کو تو اتنا بڑھا دیا اور اسے اس کا اتنا اثر نظر نہ آیا۔ کیا رسول اللہ ﷺ سے خدا تعالیٰ کی کوئی رشتہ داری اور نعوذ باللہ خلاف عدل پاسداری تھی کہ ان کے تو خدا نے حقوق ادا کر دیئے لیکن اس کے ادا نہ کئے۔ اس کا ایک ہی جواب اور ایک ہی نتیجہ ہے کہ اس کا ارادہ وہ ارادہ نہیں جس ارادہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے۔ اس کی وہ نیت اور اخلاص نہ تھا جس اخلاص اور نیت سے رسول اللہ ﷺ ان اعمال کو بجا لاتے تھے۔ پس اس کی نیت اور اخلاص کے اختلاف سے نتائج میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا اس نے سب کچھ وہی کیا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا مگر اس کا ارادہ وہ ارادہ نہیں تھا جو رسول اللہ ﷺ کا تھا اور اس کی نیت وہ نیت نہ تھی جو رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ (معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درجہ کے متعلق بھی اس وقت لوگوں کے دل میں سوال پیدا ہوا ہے کیونکہ بعض اور صحابہ بھی تھے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا سارا مال دیدیا تھا اور ایسے بھی تھے جو عبادت کے لئے مسجد میں ہی رہتے تھے) کہ ابوبکر کو نماز روزہ کی وجہ سے دوسروں پر فضیلت نہیں بلکہ اس کی فضیلت اس چیز کے باعث ہے جو اس کے دل میں ہے اھ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس میں لوگوں کے اس سوال اور شک کا جواب دیا ہے کہ ابوبکر کو ان پر فضیلت کیسے ہو گئی۔

پس قانون شرعی میں بڑائی اور تنزل اخلاص اور ارادہ کی کمی اور زیادتی پر بہت کچھ منحصر ہے اگر ایک شخص نیک ارادہ سے اعمال بجا لاتا ہے۔ اور وہ مخلص ہے تو جو نتیجہ اس کے اعمال کا نکلے گا وہ نتیجہ دوسرے کے اعمال کا نہیں نکلے گا جس کے اعمال میں اخلاص اور نیک ارادہ نہیں پایا جاتا یا کم پایا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کو یہ دھوکا لگتا ہے اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بد اعمالی کا بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے جو نیک ارادہ کے ساتھ نیک اعمال کا۔ بے شک جو شخص اخلاص اور نیک ارادہ سے نماز پڑھے گا اور روزے رکھے گا وہ اس کا ضرور نیک اجر پائے گا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی یہ کہہ دے کہ ہم میں بڑا اخلاص ہے مگر نماز نہیں پڑھتے اور روزے نہیں رکھتے۔ یہ ممکن نہیں کہ دھواں ہو اور آگ نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نوافل میں فرق پڑ جائے کیونکہ انسان اور کاموں کی وجہ سے قلیل وقت اس پر صرف کر سکتا ہے۔

نیکی صرف نماز روزہ حج اور زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ خود اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی فکر کرنی یہ بھی ثواب ہے۔ اگر ثواب اور تعمیل ارشاد کے لئے اپنی بیوی کے منہ میں بھی لقمہ ڈالتا ہے یا اپنے بچہ کو اس طرح کھانا کھلاتا ہے یا نوکروں غلاموں سے نیک سلوک کرتا ہے تو وہ بھی نیکی کرتا ہے۔ حالانکہ یہ کام کافر بھی کرتے ہیں مگر یہ اپنی نیت اور اخلاص کی وجہ سے ان پر اجر پاتا ہے کیونکہ اسلام نے تمام بنی نوع انسان اور دنیا کی تمام مخلوقات سے بلکہ حیوانوں تک سے نیک سلوک کرنا نیکی قرار دیا ہے۔ اس لئے اگر وہ احتساباً اعمال بجا لاتا ہے تو اس کا ہر فعل دنیا کا بھی نیکی میں شمار ہوتا ہے۔ اگر تاجر ہے تو اس کے تجارتی کاروبار نیکی ہیں۔ اگر مزدور ہے تو اس کا ٹوکری ڈھونا۔ اگر ملازم ہے تو اس کا اپنی ملازمت پر جانا اور وہاں کام کرنا۔ ہر حرفہ والا جو کوئی حرفہ کرتا ہے۔ ایک دوکاندار جو دکان کرتا ہے اس کا ہر سودا جو وہ دیتا ہے۔ ایک راج جو راجگیری کرتا ہے بلکہ ایک ایک اینٹ جو وہ لگاتا ہے۔ ایک لکڑہارا جو کلہاڑا مارتا ہے وہ سب نیکی ہے جس کا اجر اس کو ملے گا۔ بشرطیکہ وہ اپنے دنیاوی کام میں بھی خدا تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھے۔ اس طرح انسان اپنے اخلاص سے اپنے ہر ایک فعل کو نیکی بنا لیتا ہے بلکہ جو کام کہ دوسروں کے لئے عیاشی سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اس کے لئے نیکی ہو جاتے ہیں۔

صوفیاء نے ایک واقعہ لکھا ہے جسے حضرت مسیح موعودؑ بھی بیان فرمایا کرتے تھے اور میں نے پہلے حضرت صاحب ہی سے سنا ہے کہ ایک بزرگ روزانہ ایک تھال کھانے کا تیار کرا کر کہیں لے

جایا کرتے تھے اپنی بیوی کو انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس کے لئے لے جاتے ہیں جس سے ان کی بیوی کو شبہ ہوا کہ شائد ان کا کسی سے ناجائز تعلق ہے۔ اتفاق سے وہ بزرگ ایک دن بیمار ہو گئے انہوں نے بیوی سے کہا کہ چاول پکا کر فلاں جگہ دریا کے پار ایک بزرگ رہتے ہیں اس کے پاس لے جاؤ بیوی نے کہا کہ راستہ میں دریا ہے میں کیسے پار اتروں گی۔ انہوں نے کہا کہ میرا نام لیکر دعا کرنا کہ الہی اس شخص کا تجھے واسطہ دیتی ہوں جو کبھی عورت کے پاس نہیں گیا چنانچہ وہ کھانا لیکر گئی اور دریا کے کنارے کھڑے ہو کر اسی طرح دعا کی جس کے بعد ایک کشتی آگئی وہ سوار ہو کر پار اس بزرگ کے پاس چلی گئی جب وہ چاولوں کا طباق کھا چکے تو اس بزرگ سے اس نے کہا کہ اب میں واپس کیسے جاؤں اس بزرگ نے کہا کہ تم میرا نام لیکر خدا سے دعا کرنا کہ الہی اس شخص کا میں تجھے واسطہ دیتی ہوں جس نے کبھی ایک دانہ بھی چاول کا نہیں کھایا۔ چنانچہ اس نے اسی طرح دعا کی جھٹ کشتی آگئی اور سوار ہر کر گھر آگئی اور اپنے میاں سے کہنے لگی کہ میں تو سمجھتی تھی کہ خدا سچائی سے دعائیں قبول کرتا ہے مگر آج معلوم ہوا کہ وہ جھوٹ سے زیادہ قبول کرتا ہے کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں اور یہ تمہارے بچے ہیں اگر عورت کے پاس تم نہیں گئے تو یہ بچے کس کے ہیں اور اس بزرگ نے بھی میرے سامنے چاولوں کا بھرا ہوا طباق کھایا ہے تو یہ درست کیسے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کبھی ایک دانہ بھی چاولوں کا نہیں کھایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ جھوٹ نہیں سچ ہے کیونکہ نہ میں کبھی اپنے نفس کی خواہش سے عورت کے پاس گیا اور نہ کبھی اس بزرگ نے اپنے نفس کی خواہش سے کھانا کھایا ہمارے تعلقات اور کھانا پینا اسی کے حکم کے ماتحت اور احتساباً ہی ہیں۔

سید عبدالقادر جیلانی صاحب نے لکھا ہے کہ میں کھانا نہیں کھاتا جب تک کہ خدا مجھے یہ نہیں کہتا کہ میں تجھے اپنی ذات کی قسم دیتا ہوں کہ تو کھانا کھا اور میں پانی نہیں پیتا جب تک کہ خدا مجھے یہ نہیں کہتا کہ میں تجھے اپنی ذات کی قسم دیتا ہوں تو پانی پی اور میں کپڑا نہیں پہنتا جب تک کہ خدا مجھے یہ نہیں کہتا کہ میں تجھے اپنی ذات کی قسم دیتا ہوں کہ تو کپڑا پہن لے ۲۔ بعض آدمی اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عبدالقادر نعوذ باللہ کپڑے اتار کر ننگے ہو جاتے تھے اور کھانا چھوڑ کر بھوکے بیٹھ جاتے تھے اور خدا ان کو اپنی ذات کی قسمیں دے دے کر کھانا کھلاتا اور کپڑا پہناتا تھا حالانکہ ننگے ہو جانا یہ تو جہالت ہے اور کھانا چھوڑ دینا خود کشی ہے۔ ایک ادنیٰ مومن کی بھی یہ شان نہیں کہ وہ ایسی حرکت کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ **کلوا و اشربوا** (الاعراف ۳۲) کا حکم ان کے سامنے نہیں آجاتا تھا وہ کپڑا نہیں پہنتے تھے جب تک کہ **اما**

بنعمتہ ربک فحدث (الضحیٰ ۱۲) کا حکم ان کے سامنے نہ آجاتا تھا کہ خدا کی نعمت کا اثر کپڑوں کے ذریعہ بدن پر بھی ظاہر کرنا چاہیے یہ نہیں کہ خاص طور پر خدا ان کے آگے قسمیں کھایا کرتا تھا بلکہ یہ وہی قسمیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے سنی ہیں۔ وہی قسمیں سید عبدالقادر کو ان کی تیزی طبع کی وجہ سے نظر آجاتی ہیں اور ہر ارشاد الٰہی ان کو نمایاں نظر آجاتا تھا۔ کیونکہ جب خدا نے قرآن کریم میں اپنی نعمتوں کا ذکر کر کے ان کی قسمیں کھائیں ہیں تو پھر خدا تو قسم کھا چکا۔ اس لحاظ سے خدا قسم کھاتا تھا تب وہ کھاتے تھے۔

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ بہت ہیں جو نمازیں بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور چندے بھی ادا کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے ہمدری بھی کرتے ہیں۔ مگر وہ برکات جو انہیں حاصل ہونی چاہئیں حاصل نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے ظاہری معاملات دینی میں کوئی فرق ہے بلکہ اخلاص اور ارادہ کی مضبوطی میں نقص ہوتا ہے یہی اخلاص اور ارادہ ہی ہے جس نے ابوبکرؓ اور ابو ہریرہؓ کی شان میں فرق پیدا کر دیا اور یہی اخلاص اور ارادہ ہی ہے کہ جس کی وجہ سے ابو ہریرہؓ اور آج کل کے ایک عام مسلمان میں فرق ہے۔

اخلاص اور نیت کا فرق مرتبہ اور شان میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔ نیت اور ارادہ خالی بھی کوئی چیز نہیں کیونکہ عبادات کے لئے یہ ایک روح ہے پس روح بغیر جسم کے کچھ نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ مفید تب ہی ہو سکتی ہے کہ جسم بھی ہو اور روح بھی۔ پس اگر نیت اور ارادہ کے ساتھ عمل نہیں تو اس کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر کوئی اخلاص اور نیت کے ساتھ ایک تسبیح بھی کہتا ہے تو اس کا وہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جو سالہا سال کی عبادتوں سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا اور اگر کوئی انہماک والی توجہ کے ساتھ ایک بار بھی سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کا ایک دفعہ کا کہا ہوا کلمہ وہ نتائج پیدا کرتا ہے جو پہاڑوں کی بلندیوں سے بھی بڑھتا ہے پس اگر تمہارے اعمال کے ساتھ نیت اور اخلاص نہیں یا نیت اور اخلاص کے ساتھ ظاہری اعمال بھی بجا نہیں لاتے تو تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی سو گیا پھر اٹھ بیٹھا۔ جس طرح وہ پہلے خالی ہاتھ تھا اسی طرح وہ نیند کے بعد خالی ہاتھ رہا۔ یا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدن پر تیل مل کر اپنے اوپر پانی ڈالتا ہے اور پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے بدن پر نہیں ٹھہرتا شائد پانی کا کوئی قطرہ تو اس کے بدن کے کسی حصہ پر جہاں تیل نہ لگا ہو رہ بھی جائے مگر ایسے انسان کو جس کی نماز میں اخلاص نہیں کوئی بھی نفع نہیں۔ پس تم اپنی عبادات میں اخلاص پیدا کرو اور دینوی معاملات اور دوستوں میں اپنی نیتوں اور ارادوں کو درست کرو۔ کیونکہ بغیر روح کے

جسم کچھ چیز نہیں خواہ جسم کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو لیکن اگر روح نہیں تو وہ کچھ حرکت نہیں کرے گا۔ اسی طرح کسی نیکی اور عمل کا نیک نتیجہ پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ ظاہری اعمال میں نیت اور اخلاص نہ ہو۔ چاہے وہ کتنی ہی نمازیں پڑھے یا روزے رکھے اگر وہ اپنی عبادات میں اخلاص اور پوری توجہ کا عادی نہیں اس کے ایمان اور عرفان میں کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ جہاں تم ظاہری اعمال بجا لاؤ وہاں دینی روح بھی پیدا کرو کیونکہ اس کے بغیر کوئی ترقی نہیں۔ اور درحقیقت ایاک نعبد وایاک نستعین میں یہی دونوں باتیں بیان کی گئی ہیں کہ بندہ کہتا ہے کہ ظاہرہ اعمال تو میں بجا لاتا ہوں جو میرے بس میں ہیں اور باطنی طور پر تو استعانت فرما اور اس کے نیک نتائج پیدا کر۔ انسانی دعا کی عمدگی اور کامیابی کے لئے ایسی طاقت کی ضرورت ہے جو نہایت لطیف ہے اور اس کے مقابلہ میں ان کی روح کثیف ہوتی ہے۔ مومن کوشش کرتا ہے کہ وہ کثافت دور ہو اور درخواست کرتا ہے کہ جو مجھ سے ہو سکتا تھا وہ میں نے کیا اب جو باقی ہے اس کے لئے حضور سے استعانت چاہتا ہوں اور پھر استعانت بھی تو ایک توجہ ہی ہے جو وہ اپنے عمل پر نیک نتیجہ کے مرتب ہونے کے لئے خدا کی طرف کرتا ہے۔ تب خدا کی طاقت اور اس کی طاقت مل کر نیک نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ اگر یہ دونوں طاقتیں پیدا نہیں ہوتیں تو بندہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم بھی نہیں کہہ سکتا بلکہ اس کے کہنے کا حق تب ہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایاک نعبد کے مطابق ظاہری اعمال اخلاص کے ساتھ پہلے بجا لائے ورنہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی ٹانگیں پھیلا کر پڑا رہے اور خواہش کرے کہ روٹی خود بخود اس کے منہ میں آجائے اس لئے جہاں تک وہ اختیار رکھتا ہے عمل میں اخلاص میں پوری کوشش کرے اور پھر خدا سے کہے کہ اب نیک نتائج تو پیدا کر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے تمام اعمال میں اخلاص پیدا کریں اور ان میں ایسی روح ہو کہ جس کے بغیر اس کی رویت اور عرفان کا یقین حاصل نہیں ہوتا۔

(الفضل ۱۰ فروری ۱۹۲۵ء)

۱۔ نزہتہ المجالس مصنف شیخ عبدالرحمان الصفوری جلد ۲ ص ۱۵۳

۲۔ سفینتہ الاولیاء دارا شکوہ ص ۷۴